جب کشمیر، ایک بدمعاش کو بیچا گیا!

ڈاکٹر فوزیہ نذیر لون ○

یہ کہانی ہے ۱۸۴۶ء میں 'امرتسر معاہدۂ فروخت' (Amratsir Sale Deed) کے تحت کشمیر کی ڈوگرہ راجا گلاب سنگھ کو فروخت کرنے کی۔ ان کے مظالم اور پھر جموں اور کشمیر میں شاہی ریاست کا قیام کیسے عمل میں آیا؟ کشمیر کن شرائط پر بیچا گیا اور اس کا کشمیریوں پر کیا اثرات پڑے؟ یہ سب سمجھنے کے لیے یہ جاننا اہم ہے کہ کشمیر کی تاریخ حملہ آوروں سے بھری ہوئی ہے۔ انڈیا کی طرف جانے والے حملہ آور بھی کشمیر کے راستے ہی ہندوستان پہنچتے تھے، جن میں ۳۲۶ قبل مسیح میں مقدونیہ سے آنے والے سکندر اعظم اور سائتھنز جیسے کچھ وسطی ایشیائی قبیلے بھی شامل تھے۔

کشمیریوں نے کئی صدیاں پانڈو، موریا، کوشان، گونا ندیا، کرکوٹا، اتپالا اور لوہارا جیسے بیرونی حکمرانوں کے تحت گزاریں۔ کشمیر کی تاریخ کو عام طور پر چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے: ہندو راجاؤں کا قدیم دور، جس کی تفصیل کلہن پنڈت کی کتاب راج ترنگنی میں ملتی ہے۔ کشمیری مسلمانوں کے دور کو سلاطینِ کشمیر کا دور کہا جاتا ہے، مغل دور کو 'شاہان مغلیہ' کا دور کہا جاتا ہے، اور پٹھانوں کے دور کو 'شاہان درانی' کا عہد کہا جاتا ہے۔

ان اَدوار میں جو بات مشترک تھی، وہ کشمیریوں کا استحصال ہے، جو تاریخ کی کئی کتابوں میں درج ہے۔ چودھویں صدی میں اسلام کشمیر میں پہنچا اور آبادی کا ایک بڑا حصّہ مسلمان ہوگیا۔

- **مغلیہ دورِ حکومت:** ۱۵۸۶ء سے ۱۷۵۱ء تک کشمیر پر مغلیہ حکومت رہی۔ ۵۴-۱۷۵۲ء کے دوران افغانستان کے احمد شاہ ابدالی نے مغلوں سے کشمیر کو حاصل کر کے کشمیر پر

○ ایسوسی ایٹ پروفیسر، سٹی یونی ورسٹی آف ہانگ کانگ

تسلط قائم کیا۔ کشمیر میں افغان درانی دور ۱۸۱۹ء تک رہا، جب پنجاب کے مہاراجا رنجیت سنگھ کی قیادت میں سکھوں نے شوپیاں کی جنگ میں افغان گورنر جبار خان کو شکست دی۔ ۱۸۲۲ء میں رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو، جس کا تعلق ہندو ڈوگرہ برادری سے تھا، اس کی خدمات کے عوض جموں کا راجا بنا دیا۔ گلاب سنگھ نے اس میں راجوری، پونچھ، بدرواہ اور کشتوار کا اضافہ کیا۔

۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد گلاب سنگھ کا مقام مزید نمایاں ہو گیا۔ ۱۸۴۵ء میں برطانیہ نے یہ کہہ کر جنگ چھیڑ دی کہ ''راجا رنجیت سنگھ کے ساتھ ۱۸۰۹ء میں طے پانے والے 'معاہدۂ امرتسر' کی خلاف ورزی کی گئی ہے، جس کے ذریعے سکھ سلطنت کی مشرقی سرحدیں طے ہوئی تھیں''۔ اس جنگ میں سکھ مہاراجا جنگ ہار گیا اور ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے 'معاہدۂ لاہور' کے تحت طے ہونے والا جرمانہ ادا نہیں کرسکا، اور اسے کشمیر 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے نام کرنا پڑا۔

● **ایسٹ انڈیا کمپنی نے کشمیر بیچ دیا:** کامیابی یقینی بنانے کے لیے برطانوی 'ایسٹ انڈیا کمپنی' نے جموں کے راجا گلاب سنگھ کو مہاراجا بنا دیا اور ۱۸۴۶ء کے 'معاہدۂ امرتسر' کے تحت تقریباً ۷۵ لاکھ روپے (لگ بھگ ایک لاکھ پاؤنڈ) میں گلاب سنگھ کو کشمیر بیچ دیا۔

اس وقت 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کے گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنج نے ۲ مارچ ۱۸۴۶ء کو اپنی بہن کو لکھے خط میں گلاب سنگھ کو 'ایشیا کا سب سے بڑا بدمعاش' کہہ کر متعارف کرایا۔ گلاب سنگھ کو مہاراجا بنانے کی وجہ گورنر جنرل نے خط میں یوں بیان کی: 'بدقسمتی سے اس کی مدد کرنا لازمی ہے کیونکہ اس نے ہمارے خلاف جنگ میں حصّہ نہیں لیا اور اس کی سرحدیں ہماری سرحدوں سے ملتی ہیں۔ ہم بغیر کسی مشکل کے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں اور سکھوں کی سلطنت میں سے اسے ایک ٹکڑا دے کر سکھوں کے مقابلے میں اس کی طاقت کو تھوڑا بڑھا سکتے ہیں'۔

۱۸۲۲ء میں رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو، جس کا تعلق ہندو ڈوگرہ برادری سے تھا، اس کی خدمات کے عوض جموں کا راجا بنا دیا۔ ۱۸۴۶ء کے 'معاہدۂ امرتسر' پر، جسے عام زبان میں 'سیل ڈیڈ' بھی کہا جاتا ہے، ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو دستخط کیے گئے۔ جموں کے مہاراجا گلاب سنگھ اور برطانیہ کی طرف سے دو ارکان، فریڈرک کیوری اور بریور میجر ہنری مونٹگومری لارنس اور اس پر ہارڈنج کی مہر لگائی گئی۔ اس معاہدے کا اطلاق 'دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کے

پہاڑی خطے اور اس کے ماتحت علاقوں، بشمول چھمب پر تھا لیکن اس میں 'لاہول' کا علاقہ شامل نہیں تھا، جس پر ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے 'معاہدۂ لاہور' کے آرٹیکل چار کے تحت برطانوی کمپنی کا دعویٰ تھا۔

گلاب سنگھ کو دیے جانے والے اس سارے خطے کی مشرقی سرحدوں کا تعین کرنے کے لیے دونوں اطراف کے ارکان پر مشتمل ایک ٹیم کو سروے کرنے کا ذمہ دیا جانا تھا۔ سرحدوں میں کسی بھی طرح کی تبدیلی کے لیے برطانوی حکام کی رضامندی لازمی تھی۔ پھر مہاراجا اور ہمسایہ ریاستوں کے درمیان ہر قسم کا جھگڑا بھی برطانوی حکام نے ہی طے کرنا تھا۔

معاہدے کے تحت مہاراجا اور ان کے وارثوں کی فوجیں 'پہاڑوں کے اندر' یا اس سے متصل علاقوں میں ضرورت پڑنے پر برطانوی فوجیوں کا ساتھ دینے کی پابند بنائی گئیں۔

ایک شق یہ بھی تھی کہ مہاراجا برطانوی حکومت کی رضامندی کے بغیر کسی بھی برطانوی، یورپی شخص کو اپنی خدمت میں نہیں رکھے گا۔

برطانوی حکومت نے عہد کیا کہ وہ 'اس کے دشمنوں سے اس کے علاقوں کی حفاظت کرنے میں' مہاراجا گلاب سنگھ کی مدد کرے گی۔ برطانوی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے مہاراجا گلاب سنگھ نے ہر سال برطانوی حکومت کو 'ایک گھوڑا، منظور شدہ شال بنانے والی نسل کے بارہ بکرے (چھے نر اور چھے مادہ) اور پشمینہ شالوں کے تین جوڑے' دینے کا عہد کیا۔

● **کشمیر پر سکھوں کی حکومت کے دور کی کتاب:** ۱۸۴۶ء کا 'معاہدۂ امرتسر' ہندوستان کی دیگر خودمختار شاہی ریاستوں یا رجواڑوں کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں سے بہت مختلف تھا، کیونکہ اس میں ایک برطانوی ریزیڈنٹ کی تعیناتی کے بارے میں کوئی شق نہیں تھی۔ یہ معاہدہ کشمیر میں ڈوگرہ حکومت مضبوط کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس طرح جموں کشمیر کی نئی ریاست برطانوی سامراج کے ہندوستان میں ایک خودمختار شاہی ریاست کے طور پر شامل ہوگئی۔ سیاسی انتظامیہ کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ تھا کہ انڈیا کا وائس رائے کشمیر کا حاکم نہیں تھا۔ تمام داخلی امور مہاراجا کے ماتحت تھے اور برطانوی تاج کا ایک سیاسی یا 'پولیٹیکل ایجنٹ' تمام دفاعی اور خارجہ امور کی نگرانی کرتا تھا، کیونکہ برطانوی حکومت کو 'پیراماؤنٹ اتھارٹی' کا درجہ حاصل تھا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کے بعد، جو ہندوستان کی آزادی کی

پہلی جنگ بھی ہے، برطانیہ نے کچھ دیگر حقوق بھی ان ریاستوں کو منتقل کر دیے۔ ایسا تب ہوا جب برطانیہ کی ملکہ وکٹوریا [م:۱۹۰۱ء] نے ۱۸۵۸ء میں ایک اعلامیے میں کہا کہ ’ہم مزید علاقوں پر قبضے کے خواہش مند نہیں ہیں‘۔لیکن اس کے بعد ۱۹۲۸ء میں ’میمورینڈم آف پرنسلی سٹیٹس پیپل‘ کے تحت برطانیہ کو اقتدار کے غلط استعمال کی صورت میں ان ریاستوں میں دخل اندازی کا حق حاصل ہوا۔

برطانیہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گلاب سنگھ، چین کے علاقوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ ایسا کرنے سے برطانوی اقتصادی مقاصد خاص طور پر تبت سے اُون کی تجارت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔ اسی لیے ’معاہدۂ امرتسر‘ میں واضح طور پر یہ لکھا گیا کہ ’’برطانوی رضامندی کے بغیر سرحدوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی‘‘۔

● **ہندستان اور چین کی سرحد کا تعین:** اسی دوران برطانیہ نے مغرب میں چین اور ہندوستان کے درمیان سرحد طے کرنے کی کوشش بھی کی، تاہم ’چنگ حکومت‘ نے ان کی درخواست رَد کر دی۔ جہاں تک چین کا سوال ہے تو جانسن ارداگھ لائن کو، جس میں اکسائی چن بھی شامل ہے اور جو انڈیا پر برطانوی حکمرانی کے دوران کھینچی گئی، برطانیہ نے یک طرفہ طور پر خود سے نافذ کیا اور اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اسی وجہ سے چین اسے تسلیم نہیں کرتا۔

یہاں تک کہ ۱۹۵۹ء میں انڈین وزیراعظم جواہر لعل نہرو [م: ۱۹۶۴ء] نے بھی کہا کہ اکسائی چن میں سرحدوں کا تعین نہیں کیا گیا، تاہم اکسائی چن کا تمام علاقہ انڈیا کی حدود میں آتا ہے‘۔

● **ڈوگرہ حکومت کی کامیابیاں:** ڈوگرہ حکومت نے جموں کشمیر کی شاہی ریاست کی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ گلاب سنگھ کے جنرل زورآور سنگھ نے مشرق کے ہمسایہ علاقوں لداخ اور بلتستان پر حملہ کر کے انھیں اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ’معاہدۂ امرتسر‘ کے ذریعے گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں کشمیر کو حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ پونچھ کا علاقہ بھی گلاب سنگھ کے زیر انتظام تھا۔

پونچھ دراصل گلاب سنگھ کے چھوٹے بھائی دھیان سنگھ کو رنجیت سنگھ سے بطور جاگیر ملا تھا۔ یہ تمام علاقے جموں کشمیر کی شاہی ریاست کا حصّہ بن گئے۔ پونچھ ایک مسلم اکثریتی علاقہ تھا اور وہاں کے رہائشیوں اور ڈوگرہ حکام کے درمیان ۱۸۳۰ء کے عشرے میں کئی جھڑپیں ہوئیں۔ تاہم، گلاب سنگھ نے طاقت کا استعمال کر کے ان ’بغاوتوں‘ کو کچل دیا۔ ۱۸۴۳ء میں دھیان سنگھ کی وفات

کے بعد گلاب سنگھ پونچھ، بھمبر اور میر پور کو اپنی ملکیت سمجھنے لگا، تاہم کبھی کنٹرول نہیں کر پایا۔

'معاہدۂ امرتسر' کے تحت کشمیر کے ساتھ ساتھ گلگت ایجنسی کو بھی بیچا گیا تھا، البتہ ڈوگرہ سلطنت کبھی اس پر مؤثر حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ ۱۸۵۲ء میں ایک قبائلی بغاوت کے بعد وہاں ڈوگرہ حکمرانی پوری طرح ختم ہوگئی۔ ۱۸۶۰ء میں راجا رنبیر سنگھ (گلاب سنگھ کے بیٹے) نے گلگت پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ پھر ۱۹۳۶ء میں راجا ہری سنگھ نے پونچھ پر قبضہ کرلیا۔

زمینوں پر قبضے اور سرحدوں کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ ڈوگرہ حکمرانوں نے قانون سازی کر کے ۱۹۳۹ء کے جموں کشمیر آئین ایکٹ کا نقشہ بنا کر، اپنی فوج قائم کر کے اور کئی معاہدوں کے ذریعے اپنی طاقت کو مضبوط کیا۔ جب گلاب سنگھ نے کشمیر کا کنٹرول سنبھالا تو اس وقت تقریباً ۷۵ فی صد آبادی کا انحصار کاشت کاری پر تھا، اور یہی ریاست کی آمدنی کا مرکزی ذریعہ بھی تھا۔ گلاب سنگھ نے خود کو کشمیر کی تمام زمینوں کا مالک بنا دیا۔

● **ڈوگرہ جابرانہ نظام اور کشمیر کی کاشت کار معیشت:** گلاب سنگھ کی ڈوگرہ سلطنت نے سو سے زیادہ برس کشمیر پر حکومت کی۔ یہ ایک بادشاہت پر مبنی مطلق العنان نظام تھا، جس میں لوگوں پر بہت ظلم ہوئے۔ 'معاہدۂ امرتسر' پر اس وقت بھی سخت تنقید ہوئی۔ اس وجہ سے بھی کہ وہ ۷۵ لاکھ، جس کے 'عوض' کشمیر گلاب سنگھ کو ملا، اس کی وصولی کے لیے عام کشمیریوں پر بہت بھاری ٹیکس لگایا گیا۔ خود برطانیہ میں اس پر تنقید ہوئی کہ ''کشمیریوں کو بیچ کر مہاراجا کا غلام بنا دیا گیا ہے''۔

رابرٹ تھورپ ہندوستان میں برطانوی فوج کے ایک افسر نے لکھا کہ ''یہ اتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اس سے 'جدید تہذیب کی روح کی نفی ہوتی ہے اور یہ چیز اس مذہب کے ہر اصول کے بھی بالکل اُلٹ ہے، جس کے پیروکار ہونے کا ہم دعویٰ کرتے ہیں'۔

ڈاکٹر ایلمسلی ایک اسکاٹش مشنری ڈاکٹر نے کشمیر میں بہت وقت گزارا، لکھا: ''لوگوں کا شرمناک استحصال۔ ہم انگریزوں کے لیے شرمناک ہے کیونکہ ہم نے اس ملک کو اس کے موجودہ ظالم حکمرانوں کو بیچ دیا، ہزاروں جیتے جاگتے انسانوں کے ساتھ، جنھیں ہم نے دائمی غلام بنا دیا''۔

جب گلاب سنگھ نے کشمیر کا کنٹرول سنبھالا تو اس وقت تقریباً ۷۵ فی صد آبادی کا انحصار کاشت کاری پر تھا اور یہی ریاست کی آمدنی کا مرکزی ذریعہ بھی تھا۔ گلاب سنگھ نے سکھوں کے دور

کے نظام کو جاری رکھا اور خود کو کشمیر کی تمام زمینوں کا مالک قرار دیا کیونکہ وہ 'معاہدۂ امرتسر' کے ذریعے کشمیر کو خرید چکا تھا۔ کسانوں سے ان کی زمینوں کی وہ ملکیت تک چھین لی گئی، جو افغانوں اور سکھوں کے دور سے ان کے پاس تھی۔ یعنی اب کسان مالک نہیں کرایہ دار تھا اور زمین پر کام کرنے کے لیے اسے ٹیکس دینا پڑتا تھا، جسے 'حق مالکان' کہا جاتا تھا۔ مگر کسی وجہ سے 'حق مالکان' کی ادائیگی نہیں ہو پاتی، تو کسان کو زمین سے خارج کر دیا جاتا تھا۔

یہ بات واضح ہے کہ ۱۸۴۶ء کے بعد ڈوگرہ دور میں کئی ایسی پالیسیاں اور عمل متعارف کرائے گئے، جن سے کشمیری عوام اور خاص طور پر مسلمان کاشت کاروں کو بہت نقصان پہنچا۔ کسانوں سے ان کی زمینوں کی ملکیت تک چھین لی گئی۔

● **کشمیر اور بیگار کا نظام:** ظالمانہ ٹیکس نظام کے ساتھ ساتھ ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں بیگار یعنی بنا معاوضے کے جبری مزدوری، ایک بدنام زمانہ پالیسی تھی۔ اسے انتظامی اور اقتصادی ڈھانچے کا حصّہ بنایا گیا۔ اس سب کے باوجود اس دوران کاشت کاری کے شعبے میں کچھ اصلاحات بھی کی گئیں۔ ۱۹۲۰ء میں محکمہ زراعت قائم کیا گیا اور پھر ۲۰-۱۹۱۹ء میں زرعی ترقیاتی بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ ۱۹۲۰ء میں ہر طرح کے بیگار کے نظام کو ختم کر دیا گیا جس سے ان کسانوں کو کچھ راحت ملی، جو اکثر کھیتوں میں کام کرنے کے بجائے دور افتادہ علاقوں اور دشوار گزار پہاڑوں پر سامان پہنچانے کے لیے زبردستی بھیج دیے جاتے تھے۔

۱۹۳۰ء میں جاگیرداروں کو اجناس پر ٹیکس دینے کے نظام اور اس کی وجہ سے ہونے والے استحصال کے خلاف کاشت کاروں کا احتجاج شروع ہوا۔ حکومت نے مسئلے کے حل کے لیے ایک 'جاگیردار کمیٹی' بنائی، لیکن تماشا یہ کہ اس کے تمام ارکان خود جاگیردار تھے۔ کمیٹی نے جاگیر میں کرایہ داروں کے حقوق اور جاگیرداروں کے حقوق اور فرائض وضع کیے۔ کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی کہ محصولات کو اجناس کی جگہ نقد کی شکل میں وصول کیا جائے اور اس کی وجہ سے جاگیرداروں کو ہونے والے ممکنہ نقصان کا ازالہ انھیں نئی جاگیریں دے کر کیا جائے''۔

ان سفارشات کو حکومت نے تسلیم کر لیا، تاہم زرعی شعبے میں اس تبدیلی کا غلط فائدہ اٹھایا گیا، جس کے نتیجے میں کاشت کاروں کا فائدہ ہونے کے بجائے ان کے حالات مزید بگڑ گئے۔

جاگیرداروں نے اکثر نقصان دکھا کر نئی جاگیریں حاصل کرلیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے حکومت مخالف جذبات نے پُرتشدد رخ اختیار کرلیا۔

• **کشمیر میں سکیورٹی فورسز کی تعیناتی**: ۱۳جولائی ۱۹۳۱ء کو سرینگر کی سینٹرل جیل کے باہرلوگوں کی ایک بڑی بھیڑ جمع تھی۔عبدالقدیر نامی ایک شخص پر حکومت مخالف تقریر کرنے کا الزام تھا اور اس کیس کا اس دن فیصلہ آنے والا تھا۔لوگ جیل کے باہر فیصلے کا انتظار کررہے تھے، کہ اسی دوران گورنر نے سب کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کردیے اور وہاں تعینات پولیس نے ان پر گولی چلا دی۔ اس دن وہاں ۲۰ کشمیری موقع پر ہی شہید ہو گئے، جس کے بعدلوگوں میں بے چینی اور غصہ مزید بڑھ گیا۔

تب سے ۱۳ جولائی کشمیر میں ’یوم شہدا‘ کے طور پر منایا جاتا ہے، ایک ایسا دن جب عام کشمیری اپنے حقوق اورعزّتِ نفس کے لیے شہید ہوئے۔اس کے بعد پابندیوں کوسخت کرتے ہوئے دفعہ ۱۴۴ بھی نافذ کردی گئی، جس کے تحت پورے کشمیر میں میٹنگوں، مظاہروں اور جلوسوں پر پابندی لگادی گئی۔ساتھ ہی کشمیر دربار نے اپنے ایک بیان میں پولیس کی فائرنگ کو جائز قرار دیا، جس سے حالات مزید کشیدہ ہو گئے۔حکومت کشمیر کے اس رویے پر ریاست کے باہر بھی سخت تنقید ہوئی۔ ریاست کے اندر احتجاجی مظاہرے ہوئے اور ۱۳ جولائی کے اس المیے پر غیر جانب دار تفتیشی کمیٹی بنائے جانے کا مطالبہ کیا گیا، جسے حکومت نے نظرانداز کردیا۔

راجا ہری سنگھ کا اصرار تھا کہ ’’میری بنائی ہوئی انکوائری کمیٹی غیر جانب دار ہے۔ اس کمیٹی نے پولیس کارروائی کو جائز قرار دیا، جس سے کشمیریوں کا غصہ اور بڑھ گیا۔اسی دوران کشمیر میں جاری شورش پر قابو پانے کے لیے راجا ہری سنگھ کو’معاہدۂ امرتسر‘ کے آرٹیکل نو کے تحت ہندوستان کی انگریز حکومت سے مدد ملی۔ ’رائفل بریگیڈ‘ کو جموں میں ’بارڈر رجمنٹ‘ کو میرپور اور ’ہسارز‘ کو جموں اور سرحدوں کی پٹرولنگ کے لیے تعینات کیا گیا۔

• **مہاراجا کے خلاف تحریک**: ۱۹۳۱ء میں پیش آنے والے واقعات نے کشمیریوں کو اپنے سیاسی حقوق کے حوالے سے ایک گہری نیند سے جگایا، جس سے ایک ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی جس کی مثال اس وقت کی کسی خودمختار شاہی ریاست میں نہیں ملتی۔ کشمیر میں خودمختاری، سیاسی

اور مذہبی آزادی کے لیے مہاراجا کے خلاف ایک تحریک شروع ہوگئی۔

یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا اہم ہے کہ ہندوستان کے برعکس، کشمیر کی تحریک، برطانوی راج کے خلاف نہیں تھی۔ کشمیر کی تحریک ایک مسلمان اکثریتی آبادی پر ہندو ڈوگرہ حکمرانوں کے مظالم کا نتیجہ تھی۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ڈوگرہ حکمرانوں نے ہندو پنڈتوں کے ایک بااثر طبقے کو کافی مراعات دے رکھی تھیں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ مظالم کے خلاف اس انقلاب میں مسلمانوں کے ساتھ کشمیری ہندوؤں کا ایک حصّہ بھی شامل تھا۔ اس تحریک کی قیادت شیخ محمد عبداللہ اور پریم ناتھ بزاز کے ہاتھ میں تھی۔

● **آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام:** پڑھے لکھے مسلمان نوجوانوں نے 'ریڈنگ روم پارٹی' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، جہاں بحث مباحثے ہوتے۔ انھوں نے لندن میں مقیم پبلشر این ایل بینرجی سے رابطہ کیا، جو Indian States کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا کرتے تھے۔

اس رسالے میں ریڈنگ روم پارٹی کے ارکان کی طرف سے ملنے والی معلومات کی بنا پر کشمیریوں کی حالت زار پر آرٹیکل شائع ہونے لگے، جس سے کشمیر کے باہر بھی کشمیر کی بات ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک وسیع ہوتی گئی۔ ۱۹۳۲ میں شیخ محمد عبداللہ نے آزادی کی اس تحریک کی قیادت سنبھالی اور اسی سال آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کا بھی قیام عمل میں آیا۔ دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ انھوں نے ۱۹۳۲ء میں کسان کو اس کی زمین پر ملکیت کے حق کی بحالی کا مطالبہ بھی کیا۔

اسی سال شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کیا گیا، ان پر مقدمہ چلا اور انھیں قصوروار ٹھیرایا گیا۔ ان پر مجرمانہ سازش، حکومت کے خلاف جنگ کرنے، جنگ کی نیت سے اسلحہ جمع کرنے، غداری، منافرت پھیلانے اور امن و امان کو نقصان پہنچانے کے الزام لگائے گئے۔ اس کیس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ محمد عبداللہ کو جیل بھیج دیا گیا لیکن پھر رہا کر دیا گیا۔ تاہم، تب تک کشمیر کی تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی۔ کشمیریوں نے اپنی شکایات کی تفتیش کے ساتھ ساتھ سیاسی، معاشی اور مذہبی حقوق کے اپنے مطالبات بھی جاری رکھے۔

مہاراجا نے آخرکار یہ اعلان کیا کہ وہ 'مناسب' مطالبات کو پورا کرے گا اور پھر

سر بی جے گلینسی کی صدارت میں ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جس کا مقصد مسلمانوں اور دوسروں کی شکایات کی تفتیش کرنا تھا۔اس کمیشن نے ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ءکو اپنی رپورٹ جاری کی، جس کے مطابق تشدد کی وجوہ میں کئی سیاسی اور معاشی مسائل تھے۔کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کشمیری مسلمانوں کے لیے تعلیم میں اسکالرشپ اور ریاستی نوکریوں میں ملازمت کے ساتھ ساتھ سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے کی سفارش بھی کی۔

'گلینسی رپورٹ' کے بعد کشمیر میں آئینی اصلاحات کے لیے 'کشمیر کانسٹی ٹیوشنل ریفارمز کانفرنس' تشکیل دی گئی، جس کے بعد فرینچائز کمیٹی بھی بنی۔ ان کمیٹیوں کی سفارشات کی بنا پر ۱۹۳۲ء میں راجا ہری سنگھ نے ایک آئینی ایکٹ متعارف کرایا، جس کے تحت 'پرجا سبھا' کے نام سے ایک قانون ساز اسمبلی کا قیام ممکن ہوگیا، جس کے پاس قانون سازی کے ساتھ ساتھ ایگزیکٹو اور عدالتی اختیارات بھی تھے۔

'گلینسی کمیشن' نے دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ان کی زمینوں کی ملکیت واپس کرنے کی اور ان ریاستی زمینوں کی منتقلی اور انھیں کرائے پر دینے کے حقوق کی، جن کی ملکیت تو حکومت کی پاس ہے، لیکن جو عام شہریوں کے زیر استعمال ہیں، سفارش بھی کی تھی۔مہاراجا نے ان سفارشات پر عمل کرتے ہوئے زمینیں ان کسانوں کے نام کرنے کا اعلان کیا، جن کے پاس تب تک صرف ان زمینوں کو استعمال کرنے کا حق تھا۔ جموں صوبے میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تاہم، 'گلینسی کمیشن' کی سفارشات مجموعی طور پر ناکام رہیں، کیونکہ ان پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔تیس اور چالیس کے عشروں میں کشمیر میں مہاراجا کے خلاف تحریک بھی چلتی رہی اور حکومت کی طرف سے اسے دبانے کی کوششیں بھی۔

۱۹۴۱ء میں غلام عباس نے مسلم کانفرنس کو دوبارہ منظم کیا اور نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس دونوں نے ہی اپنی سیاسی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ۱۹۴۳ء میں بغاوت کے خدشے سے مہاراجا نے آئینی اصلاحات کے لیے ایک کمیشن تشکیل دینے کے احکامات جاری کیے۔ اس کمیشن کا مقصد ریاست کی حفاظت، سالمیت اور سکیورٹی کو یقینی بنانے کے ساتھ تمام برادریوں کا ایک دوسرے کے قریب لانا، معیشت کی ترقی اور بدعنوانی کا خاتمہ بتایا گیا۔

۱۹۴۰ء کے عشرے میں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس دونوں نے کشمیر کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور ڈوگرہ انتظامیہ میں نمائندگی کی کمی کو واضح کیا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد سے شروع

ہونے والی آئینی اصلاحات سے عوام کو کسی حد تک ریاستی انتظامی نظام میں حصّہ لینے کا محدود موقع ملا۔ ان اصلاحات سے کشمیریوں میں سیاسی شعور اور آگاہی بھی پیدا ہوئی۔

مہاراجا نے جن اصلاحات کا آغاز کیا تھا ممکن ہے کہ ان سے آگے چل کر کشمیر میں ایک منتخب حکومت اور اسمبلی وجود میں آتی، تاہم برطانوی ہندوستان کی بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال اور شاہی ریاستوں کے الحاق کے سوالات کا کشمیر پر گہرا اور دیرپا اثر پڑا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد انتخابات میں برطانیہ میں چرچل کی کنزرویٹو پارٹی ہار گئی اور لیبر پارٹی نے اقتدار سنبھالا۔ برطانیہ شدید اقتصادی مشکل میں تھا اور اس کے دیوالیہ ہونے کا بھی خدشہ تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے وزیراعظم ایٹلی نے برطانیہ کی انڈیا پالیسی تبدیل کر دی۔

۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو برطانیہ نے تین وزرا کو انڈیا بھیجنے کے فیصلے کا اعلان کیا، ان کے ذمے 'مسئلہ انڈیا' کا حل تلاش کرنا تھا۔ اس 'کیبنٹ مشن' کا ایک مقصد مقامی راجوں مہاراجوں اور برطانیہ کے درمیان تعلقات کو مضبوط کرنا بھی تھا۔ ۲۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کو 'کیبنٹ مشن' سرینگر پہنچا تو شیخ محمد عبداللہ نے انھیں ایک میمورنڈم بھیجا۔ اس میں لکھا تھا کہ 'ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس رشتہ پر نظر ثانی نہایت اہم ہے کیونکہ تقریباً ایک سو سال پہلے کشمیر کی زمین اور اس کے عوام کو برطانیہ نے بیچ دیا تھا۔ کشمیری عوام اپنی تقدیر بدلنے کے لیے پُرعزم ہیں اور ہم برطانوی مشن سے ہمارے مقصد کے منصفانہ کردار اور اس کی طاقت کو پہچاننے کی اپیل کرتے ہیں۔ آج کشمیری عوام کا 'قومی مطالبہ' محض ایک ذمہ دار حکومت کا قیام نہیں، بلکہ 'مکمل آزادی' ہے'۔

آزادی کے اس مطالبے کے بعد ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کو 'کیبنٹ مشن میمورنڈم' پاس کیا گیا۔ اس کے پانچویں پیراگراف میں لکھا ہے: 'ریاست کے وہ حقوق جو اسے برطانوی تاج کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے حاصل ہیں ان کا وجود اب ختم ہوتا ہے'۔ اس کے بعد راجا ہری سنگھ کے پاس تین راستے تھے: انڈیا کے ساتھ الحاق، پاکستان کے ساتھ الحاق، یا خودمختاری۔ راجا ہری سنگھ نے فوری طور پر انڈیا یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان نہ کر کے بظاہر خودمختار رہنے کا فیصلہ کیا۔ مگر چند ہفتوں بعد صورتِ حال تبدیل ہوگئی۔